اسرائیل کا ناپاک وجود

جناب غلام رضا گلی زوارہ صاحب　ترجمہ وتلخیص: مولانا سید سعید حیدر زیدی صاحب

فلسطین سر زمین مسلمین

قلمرو ایمان

سرزمین فلسطین مرکز وحی، انبیاء الٰہی کی بعثت کا مقام اور فرشتوں کا محل نزول ہے۔ اس قطعہ ارض کو خدا نے منتخب کیا اور اس کے اطراف کو بھی مبارک و مسعود قرار دیا اس ارض مقدس کے چپے چپے پر پیغمبران خدا نے نمازیں ادا کیں اور توحید وحق کی تبلیغ کے سلسلے میں مصروف عمل رہے۔

حضرت ابراہیمؑ بت شکن نے یہاں ہجرت کی اور حضرت ''ہاجرہ'' سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے، اپنی سرزمین پر ظالموں کے خلاف قیام کرنے والے حضرت موسیٰ نے اس سرزمین کے ماتھے پر الماس کی مانند دمکتے ''طور سینین'' سے خدا سے تکلم کیا حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اسی سرزمین پر اپنی حشمت کا مظاہرہ کیا۔ مولد بلد امین یعنی پیغمبر اسلام نے کئی برس بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج ''مسجد الحرام'' سے ''مسجد اقصیٰ'' کی جانب لایا گیا اور اسی مبارک مرکز سے آپ قدسیوں سے ملاقات کے لئے سوئے فلک روانہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے صلح وصداقت، امن وآشتی کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی خاک سے افلاک کی جانب عروج کیا۔

کہتے ہیں کہ صحرائے محشر، انسانوں کے اعمال کا حساب کتاب اور پل صراط اسی مقام پر برپا ہوگا اور اسرافیل قدس سے ہی صور پھونکیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سوائے ان تین مساجد کے قصد کے اپنا رخت سفر نہ باندھو، مسجد الحرام، مسجد اقصیٰ اور خود میری مسجد (مسجد النبیؐ)''

حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے: زمین کے چار مقامات بہشت کے محلوں میں سے ہیں۔ مسجد الحرام، مسجد النبیؐ، مسجد اقصیٰ اور مسجد کوفہ''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ابوحمزہ ثمالی سے فرمایا: ''مساجد اربعہ یہ ہیں مسجد الحرام، مسجد النبیؐ، مسجد بیت المقدس اور مسجد کوفہ، اے ابوحمزہ ان میں سے کسی بھی مسجد میں واجب نماز پڑھنے کا ثواب ایک مرتبہ حج کے برابر ہے۔''

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہونے والی ایک روایت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ''حضرت امام مہدی بیت المقدس میں قیام فرمائیں گے۔''

حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے: ''وہ دنیا کو عدل وانصاف سے پر کردینے والا بیت المقدس کو ہجرت کرے گا۔''

فلسطین کا جغرافیہ

فلسطین نسبتاً کم وسعت رکھنے والی سرزمین ہے جو مشرق وسطیٰ کے علاقے میں بحیرۂ روم کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ علاقہ ایک پل کے مانند تین براعظموں: یورپ ایشیا اور افریقہ کو باہم متصل کرتا ہے اور عالم اسلام کا قلب اور مشرق ومغرب کو ملانے والا حلقہ اتصال ہے اہم جائے وقوع اور مخصوص خصوصیات نے اس علاقے کو دنیا کے اہم علاقوں میں سے ایک بنادیا ہے کیونکہ یہ علاقہ عرب ممالک کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور ایشیائی وافریقی عرب ممالک کے درمیان واقع ہے، جزیرہ نمائے عرب اس راستے سے بحیرۂ روم سے رابطہ برقرار کرسکتا ہے۔

بڑی طاقتوں کی حمایت سے اس علاقہ پر صہیونیوں کے قبضے اور کئی ملین فلسطینیوں کے یہاں سے جلاوطن ہوجانے کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمانوں کا یہ قلب ومرکز محزون ومتاثر ہوا۔ آج سرزمین فلسطین شیاطین کے خلاف مردان خدا کے جہاد کا مرکز ہے اور اس کی خاک ان کے مقدس لہو سے رنگین ہے۔

فلسطین شمال سے لبنان، جنوب سے مصر، مشرق سے اردن اور شمال مشرق سے شام کے حصار میں ہے اور اس کے جنوب میں خلیج عقبہ واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۲۷۰۲۴ مربع کلیومیٹر سے زیادہ ہے جس میں سے ۲۰۷۰۰ کلیومیٹر صہیونیوں کے وحشیانہ تسلط کے بعد ان کے قبضے میں چلا گیا۔

تاریخ فلسطین

قبل مسیح کے تیسرے ہزار کے ابتدائی دنوں میں بڑی تعداد میں عرب سامی ہجرت کرکے فلسطین کی سرزمین پہنچے۔ یہ ہجرت ''آموری، کنعانی'' مہاجرت کے نام سے معروف ہے آموری شام اور اس کے جنوب مشرق میں آئے اور کنعانیوں نے شام کے جنوب مغرب اور ساحل (موجودہ فلسطین) کو سکونت کے لئے منتخب کیا۔ کنعانیوں کے مشہور ترین قبیلے ''یبوس'' نے موجودہ بیت المقدس کے علاقے میں قیام کیا اور ''یبوس'' نامی شہر کی بنیاد رکھی اور کنعانیوں سے نسبت کی وجہ سے اس سرزمین کو ''ارض کنعان'' کہا جانے لگا۔ یہاں اس قوم کا تسلط تقریباً ۱۵؍سو سال قائم رہا۔

۱۱۸۴ء قبل مسیح بحیرۂ روم سے آنے والی ایک قوم جس کا نام (Philistin) فلسطین تھا یہاں پہنچی جس نے بتدریج کنعانیوں کے شہری مراکز اپنے ہاتھ میں لے لئے لیکن عقائد اور مذہبی اعتقادات کے لحاظ سے کنعانیوں کے زیر اثر رہی۔

بنابرایں جب بعد کی صدیوں میں بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو یہاں متعدد اقوام آباد تھیں جیسا کہ ''روژہ گارودی'' لکھتا ہے: عبریوں (بنی اسرائیل) کو فلسطین کو اپنے تصرف میں رکھنے والی اولین قوم کی نسبت حاصل نہیں، بلکہ وہ ہلال بارور میں مقیم بہت سی اقوام میں سے ایک قوم ہیں اور وہ اس سرزمین کی طویل تاریخ میں کسی بھی طرح سے اپنے لئے استثنائی حیثیت کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔''

۱۱۸۹ء قبل مسیح میں اسرائیل فلسطین کے قدیم ترین

شہر ''اریحا'' سے گذرتے ہوئے سنگین جرائم کے مرتکب ہوئے۔ ان لوگوں نے اس شہر کے بسنے والے زن ومرد، بچوں بوڑھوں اور حد تو یہ ہے کہ حیوانات تک کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ''راحاب'' نامی اس فاحشہ عورت کے سوا کسی کو زندہ نہیں چھوڑا اور لوٹ مار اور عزتوں کی پامالی کے مرتکب ہوئے۔ اس کے بعد یہ لوگ بیت المقدس کے شمال میں واقع ''عای'' نامی شہر میں داخل ہوئے اور اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا ڈالا اور اس کے باسیوں کو تہہ تیغ کر دیا۔

اگر چہ بعد میں پیغمبر خدا حضرت داؤد علیہ السلام نے بہت سے علاقوں کو عبرانیوں کی قلمرو میں شامل کیا لیکن اپنی حشمت کے انتہائی عروج کے دور میں بھی بنی اسرائیل فلسطین کے تمام علاقوں پر تسلط میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اسلام کے ظہور کے زمانے میں بیت المقدس پر اس زمانے کی دو بڑی طاقتوں ایران اور روم کا باری باری قبضہ رہا، سورۂ روم کی دوسری اور تیسری آیت اس طرف اشارہ کرتی ہیں: ''غُلِبَتِ الرُّوْمُ۔ فِيْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ ۢبَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ۔'' (سورۂ روم، آیت: ۳-۲) ''ایران اور مشرقی روم کے درمیان طول اور بے نتیجہ جنگوں سے ہونے والے جانی اور مالی نقصانات اور فضول بھاری جنگی اخراجات نے دونوں ممالک کے اقتدار کو ختم کر کے رکھ دیا۔ اور ہجرت کے پندرہویں سال لشکر اسلام نے روم کے زیر تسلط علاقوں کو فتح کر لیا۔ وہ جنگ جس کے دوران جنوبی فلسطین پر مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوا ''فتح اجنادین'' کے نام سے معروف ہے مسلمان صلح نامہ کے تحت بیت المقدس کو اپنے تصرف میں لائے جسے اس زمانے میں ''ایلیا'' کہا جاتا تھا۔

قرآن کریم نے مسجد اقصیٰ اور اس کے اطراف کو جو فضیلت دی ہے اس علاقے کے مسلمانوں کے ہاتھ میں آجانے کے بعد اس نسبت سے اسے بیت المقدس کہا جانے لگا رفتہ رفتہ اسے مختصر کر کے صرف قدس بھی کہنے لگے، عثمانیوں کے دور حکومت میں اس میں شریف کی صفت کا اضافہ کر کے ''قدس شریف'' بھی کہا جانے لگا۔

یوں قدس اسلام کے دامن میں آگیا اور قرآن اور مومنین کی آغوش میں پھلا پھولا، مسلمانوں نے اپنے بارہ سو سال طویل دور حکومت میں فلسطین کی حکومت کا مرکز بیت المقدس کو قرار دیا اور شرعی اصولوں کے مطابق اس سرزمین پر تصرف کیا، اور اسلامی احکام کے مطابق اس کا نظم ونسق چلایا، اس کے بڑے حصے کو امور خیریہ اور باقیات صالحات کے صدقے کے طور پر وقف کیا۔

قدس پر فاطمیوں کے اختیار واقتدار کے زمانے میں فلسطین میں تشیع کی جانب رجحان میں اضافہ ہوا ''مقدسی'' (بیت المقدس کا رہنے والا ایک مسلمان سیاح) جو اپنی ماں کی طرف سے ایرانی تھا اور خود بھی شیعیت کی جانب مائل تھا اس نے چند مقامات پر اس رجحان کی جانب اشارہ کیا ہے وہ اپنی معروف کتاب میں لکھتا ہے:

طبریہ نابلس اور قدس کی نصف آبادی شیعہ ہے اور وہاں معتزلیوں کے لئے کوئی جگہ نہیں اور وہ پوشیدہ ہیں۔

۴۶۵ھ میں سلجوقیوں کے ہاتھوں فلسطین پر فاطمیوں کے اقتدار کا خاتمہ ہوا، ملک شاہ سلجوقی نے بیت المقدس کے

رہنے والوں سے انتہائی ظلم وستم کا برتاؤ کیا لیکن ۲۶ سال بعد فاطمی خلیفہ کے وزیر نے قدس کو سلجوقیوں سے باز یاب کرایا اور وہاں ایک مرتبہ پھر اقتدار بحال ہوا۔

پانچویں صدی کے اواخر اور فاطمی سلسلے کی آخری خلفاء کے دور میں صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا ان جنگوں کی آگ اربابان کلیسا کے منفی اور جھوٹے پروپیگنڈے کے نتیجے میں اور بھڑکی۔ اس وحشیانہ یورش میں اہل یورپ قساوت اور جنابت سے بھرپور جرائم کے مرتکب ہوئے جن کا اعتراف آلبرما، جان ڈیوپورٹ، ویل ڈیورنٹ اور گستالوبون جیسے مغربی مصنفین نے بھی کیا ہے۔

عیسائی فلسطین میں انگریزی حکومت وجود میں لائے جو تقریباً ایک صدی تک مسلسل مسلمانوں کے ساتھ کشمکش کے عالم میں رہی، آخرکار مسلمانوں نے دریائے ''آرس'' کے ساحل سے تعلق رکھنے والے ایک آذربائیجانی کردزادے ''صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں ''حطین'' نامی مقام پر ۹۱ سال بعد ۱۷ر رجب ۵۸۳ھ میں عیسائیوں کے ہاتھوں سے قدس کو آزاد کرالیا۔ اس کے بعد قدس وحشی منگولوں کے حملے کا نشانہ بنا یہاں تک کہ وہ شام اور فلسطین کی سرزمین سے نکال دیئے گئے۔ اور ۱ے۷ھ میں قدس کے حصول کے لئے ان کی کوششوں نے دم توڑ دیا۔

منگولوں کو شکست دینے میں سلسلۂ مما لک نے انتہائی اہم کردار ادا کیا اور شام اور فلسطین میں اپنے اثر ونفوذ میں اضافہ کیا عثمانی تُرک چار صدیوں تک عظیم شام کے ایک حصہ کے طور پر فلسطین پر حکومت کرتے رہے۔

فلسطین پر عثمانیوں کے اقتدار کے زمانے میں یہ علاقہ تین صوبوں پر مشتمل تھا جنھیں تین حکومتیں کنٹرول کرتی تھیں۔

(الف) صوبہ بیت المقدس جو جنوبی فلسطین کے انضمام کے ساتھ براہ راست عثمانیوں کی مرکزی حکومت کے زیر کنٹرول تھا۔ (ب) صوبہ ''نابلس'' (ج) صوبہ ''عکا''۔

آخرالذکر دونوں صوبے انتظامی طور پر حکومت بیروت کے تابع تھے۔ اسی زمانے میں قدس اور اس کے اطراف کے نواحی علاقوں پر برطانوی استعمار کا آغاز ہوا ۱۲۵۶ھ میں برطانیہ نے فلسطین میں ساکن بیس ہزار یہودیوں کے تحفظ کے لئے بیت المقدس میں اپنا قونصل خانہ قائم کیا۔

سازش کا آغاز:

فلسطین کے خلاف سازش کا آغاز اس وقت ہوا جب انیسویں صدی کے آخر میں تھیوڈر ہرزل (Theodorehrtzl) نامی ایک یہودی نے صہیونزم کی بنیاد رکھی اس نے ۱۲۹۹ھ میں اس تحریک کا آغاز کیا اور اس کے عزائم کو بارہ سال بعد تالیف کی گئی اپنی کتاب ''حکومت یہود'' میں مدون کیا اور ۱۸۹۷ء میں سیوٹزرلینڈ کے شہر (basle) میں اپنی صدارت میں صہیونیوں کی پہلی عالمی کانفرنس کے انعقاد کے بعد اس پر عمل درآمد کا آغاز کیا۔ اس نے اپنے شرمناک منصوبے کو جامۂ عمل پہنانے کی غرض سے عثمانی سلطان کو پیش کش کی کہ اگر وہ فلسطین کے علاقے کو صہیونیوں کی تحویل میں دے دیں تو وہ ترکی کے اقتصادی امور کا ذمہ دار ہوگا۔

لیکن پارلیمنٹ کے شدید اعتراض کی وجہ سے عثمانی سلطان اس تجویز کو قبول نہ کرسکا، لہٰذا اسی دن سے ''تھیوڈ ہرزل'' نے اپنی امیدوں کا مرکز برطانیہ کو بنالیا اور استعماری ممالک میں برطانیہ کو اپنی جانب متوجہ کرلیا اور برطانیہ کے ایک بڑے سیاستداں اور صہیونزم کے حامی ''جوزف چیمبرلین'' سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوگیا ''ہرزل'' کی ہلاکت کے بعد ''وائزمین'' (Ezerweizman) نے اس کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ایک موقع پر اس نے اپنے مخاطب انگریزوں سے کہا، ایک یہودی فلسطین (خاص طور پر نہر سوئز کے معاملے میں) انگلستان کا ایک محافظ ہوگا''۔

حکومت عثمانیہ کے آخری زمانے میں جب یہ سلسلۂ خلافت زوال کی جانب گامزن تھا تو اس کی مملکت کے ان علاقوں میں جہاں عرب آباد تھے عرب قوم پرستی کی روح نے عروج پایا۔ عربوں کی تحریک کے مکہ پر قبضے اور طائف وجدہ کے محاصرے کے نتیجے میں سنگین صورت حال رونما ہوگئی۔ دمشق کی جانب پیش قدمی اور عثمانیوں کا دفاع کرنے والوں کے قتل اور شورشوں سے اردن اور فلسطین کے قبائل کے آ ملنے نے عثمانی حکومت کو شدید خطرے سے دوچار کردیا۔ ان کے حمایتی اور ان کا سربراہ انگلستان بھی عثمانیوں کی سرکوبی کے لئے میدان میں آنکلے اور سخت جنگ کے بعد فلسطین کو مکمل طور پر اپنے تصرف مین لے آئے۔

برطانوی سیاست نے فلسطین میں یہودی اقلیت کے مسئلے کو ایجاد کیا۔ وہاں صہیونیوں کے استعمار کے قیام کے لئے راہ ہموار کی اور فلسطین میں یہودیوں کی آبادی میں اضافے کے لئے کوشاں اور یہودیوں کی آمد کے لئے میدان ہموار کیا۔

برطانیہ نے یہودیوں کو فلسطین میں لاتے وقت اس علاقے کے لوگوں سے کہا ''جو لوگ یہاں آرہے ہیں وہ اسپشلسٹ، انجینئر اور ڈاکٹر ہیں اور تمہارے وطن کی آبادکاری کے لئے آئے ہیں، برطانوی وزارت خارجہ نے ۷۰ سال بعد جو دستاویزات نشر کی ہیں ان کے مطابق وہ برطانوی افسر جو فلسطین کی قدیم آبادی کے سامنے یہ باتیں پیش کرنے پر مامور تھا وہ مزید کہتا ہے کہ ہم لوگوں سے جھوٹ بولتے تھے۔

برطانیہ جس نے ایک طرف یہودیوں سے اس قدر گہرے روابط برقرار کئے ہوئے تھے دوسری طرف اس نے عربوں سے خیانت کی اور ''سائکس پیکو'' کی قرارداد کے مطابق دولت عثمانیہ سے جدا ہونے والی عرب سرزمینوں کو (جن کے متعلق طے ہوا تھا کہ وہ عرب حکام کو واگزار کی جائیں گی) فرانس اور اپنے درمیان تقسیم کرلیا۔ اس قرارداد کے بعد امریکہ بھی اتحادیوں کے ۲/نومبر ۱۹۱۷ء کو معروف برطانوی سیاستداں آرتھر بالفور (Arthur James Balfour) نے اسرائیلی حکومت کی تاسیس پر مبنی، اعلامیہ بالفور'' جاری کیا جس نے عربوں کو برطانیہ کے جھوٹے وعدوں سے مکمل طور پر مایوس کردیا ''گولڈ میئر'' جو بعد میں اسرائیل کی وزیر اعظم بنی اس نے ۱۳۳۹ھ میں تحریر کیا ہے ''اگر ہم یہاں اپنے قدم مضبوط کرلیں تو برطانیہ ہماری مدد کو

آئے گا، برطانیہ استعمار کے لئے عربوں کا استعمال نہیں کرے گا بلکہ اس کا انتخاب ہم ہیں۔''

''آرتھر بالفور'' نے ایک یہودی سرمایہ دار ''لارڈ روچیلڈ'' کے نام اپنے ایک خط میں لکھا کہ ''برطانیہ عظمیٰ کی حکومت فلسطین میں یہودیوں کے ایک قومی وطن کے قیام کو موافقت کی نظر سے دیکھتی ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ضروری آسانیاں فراہم کرنے کے لئے اپنی انتہائی کوششیں کررہی ہے''۔

اس زمانے میں برطانیہ نے نئے لیکن خفیہ روپ میں سرپرستی کے عنوان سے قدس شریف پر صہیونی ناسور کے پھیلاؤ کے لئے راہ ہموار کی۔ حتیٰ فلسطین کی پہلی سرپرست حکومت کا سربراہ ''سموئیل'' نامی ایک یہودی تھا۔ اس صورت حال نے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان شدید ٹکراؤ کی کیفیت پیدا کردی جس کا اولین مظاہرہ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو ہوا۔ اس کے چند سال بعد ''شیخ عزالدین قسام'' نے خفیہ جہاد کا آغاز کیا۔ لیکن مختصر عرصے کے بعد انھیں شہید کردیا گیا۔

انگلستان جو اس کشیدگی اور ٹکراؤ کو صہیونیوں کے مفاد میں نہیں سمجھتا تھا اس نے ایک اور حیلہ اختیار کیا اور وہ حیلہ فلسطین کی سرپرستی کو اقوام متحدہ کے سپرد کرنا تھا اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کے مسئلہ کے حل کے لئے ایک خصوصی کمیٹی کو مامور کیا۔ اس کمیٹی نے اقوام متحدہ کے سامنے کچھ اس انداز سے رپورٹ پیش کی جس نے اقوام متحدہ کو فلسطین کی تقسیم پر آمادہ کردیا۔ لیکن ۱۹۴۹ء میں جب ابھی برطانیہ نے فلسطین سے اپنی سرپرستی کو ختم کیا ہی تھا کہ ''بن گوریان'' (Bengorion) نے اسرائیلی کی غیرقانونی حکومت کے قیام کا اعلان کردیا چند ہی گھنٹے بعد امریکی صدر ''ٹرومین'' نے اسے رسمی طور پر قبول کرلیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد سابق سوویت یونین نے بھی اسے تسلیم کرلیا۔

اس دن سے صہیونیت اقوام متحدہ کی رکن ایک آزاد اور خودمختار حکومت کے طور پر اور استکبار خصوصا امریکہ کے بے دریغ تعاون سے اپنے جرائم کو شدید سے شدید کرنے پر لگی ہوئی ہے اس نے اپنے شرمناک مقاصد کے حصول کے لئے پہلے ہی مرحلہ میں ساڑھے سات لاکھ یہودیوں کو اپنا وطن اور گھربار چھوڑنے پر مجبور کیا اور اپنے باطل اور موہوم تصور کے ذریعے مشرق وسطیٰ کے نقشے میں سے فلسطین کو حذف کیا۔ ''بن گوریان'' اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم کا ان الفاظ میں اعلان کرتا ہے:

''اسرائیلی سلطنت کو نیل اور فرات کے ساحل کے درمیان واقع تمام سرزمینوں پر مشتمل ہونا چاہئے۔''

صہیونی استعمار جو کئی عشروں سے برطانیہ کی حمایت حاصل کئے ہوئے تھا، اسے اب نئے حالات میں ایک ایسی اتحادی حکومت کی تلاش تھی جو زیادہ جنگجو ہو اور مستقبل میں اس کے توسیع پسندانہ عزائم میں اس کے حامی و مددگار ثابت ہو۔ یوں امریکہ نے کیل کانٹوں سے لیس اور ہر طرح سے تیار حامی کے عنوان سے صہیونیوں کو اپنی خدمات پیش کیں ''بن گوریان'' کو یقین تھا کہ امریکہ ان کے منصوبے کی تکمیل میں انتہائی معاون ثابت ہوگا۔ اس کا کہنا تھا: جہاں تک

میرا تعلق ہے صہیونی سیاست کا مرکز برطانیہ سے امریکہ (جس کی لیڈری دنیا پر ثابت ہوچکی ہے اور جہاں اثر ونفوذ رکھنے والی کثیر یہودی آبادی موجود ہے) منتقل کرنے میں کوئی مشکل نہیں دیکھتا''۔

اسحاق شامیر بھی اعتراف کرتا ہے: ریاستہائے متحدہ امریکہ اور اسرائیل مقصد کو اپنے درمیان تقسیم کرلیتے ہیں''

امریکہ اس حد تک اسرائیل کی حمایت کرتا ہے کہ اس نے اسرائیل کی غاصب حکومت کے قیام کے موقع پر اسے ساٹھ ملین ڈالر کی اقتصادی اور فوجی امداد دی تھی۔

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں غاصب صہیونی حکومت نے صرف چھ دن کے اندر عرب ممالک کی افواج کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا اور تمام جزیرہ نمائے سینہ، دریائے اردن کے مغربی کنارے اور جولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس موقع پر امریکہ ہی تھا جس نے بین الاقوامی فورموں پر اسرائیل کا دفاع کیا اور اس کی مدد کے لئے بحیرۂ روم میں اپنے چھٹے بحری بیڑے کو فراہم کیا۔ لبنان پر حملہ بھی امریکیوں اور اسرائیلوں کا مشترکہ منصوبہ تھا یہی وجہ ہے کہ رواں صدی میں احیائے اسلام کی تحریک کے سرخیل حضرت امام خمینیؒ نے بارہا اپنے خطاب میں امریکہ اسرائیل گٹھ جوڑ کو عیاں کیا ہے وہ اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں:

''امریکہ ہی ہے جو اسرائیل اور اس کے ہوا خواہوں کا پشت پناہ ہے۔ امریکہ ہی ہے جو اسرائیل کو قوت فراہم کرتا ہے، تاکہ وہ مسلمان عربوں کو بے گھر کرے۔

رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای اپنی ایک گفتگو میں فرماتے ہیں: ''میں واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر فلسطین کا کوئی جوان خاک وخون میں نہاتا ہے اور کوئی فلسطینی گھرانہ بے آسرا ہوتا ہے تو امریکی صدر اور حکومت براہ راست اس جرم میں شریک وسہیم ہیں۔''

عوامی تحریک

قدس پر قابض غاصب صہیونیوں نے جب عربوں کی کمزوری اور امت مسلمہ کے درمیان انتشار وافتراق کا مشاہدہ کیا۔ جب اسے عالمی استکبار اور اس کے سردار شیطان بزرگ امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہوئی اور جب انھوں نے بھانپ لیا کہ اقوام متحدہ کی حیثیت ان کے حامی استعماری ممالک کے ہاتھ میں ایک سیاسی ہتھیار سے زیادہ کچھ نہیں تو پھر انھوں نے اپنے سرطانی وجود میں وسعت کے لئے ہر ہر موقع سے استفادے کی ٹھانی۔ سنگین جرائم کا ارتکاب کیا اور فلسطین کے اردگرد ممالک پر بار بار حملہ آور ہوکر اپنے مقبوضہ علاقوں میں اضافہ کیا۔ ''دیر یاسین''، کفر قاسم، صابرہ وشتیلا، نامی پناہ گزیں کیمپوں میں ہزاروں کا وحشیانہ قتل عام اس غاصب حکومت کے وہ مشہور ومعروف جرائم ہیں جن کا ارتکاب اس نے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کیا۔

اس سے زیادہ افسوسناک بات رجعت پسند عرب حکومتوں کا وہ موقف ہے جس کے تحت ان حکومتوں نے اسرائیل کے ساتھ براہ راست مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر اس

کے آگے سر تسلیم خم کر دئے اور اسے باضابطہ طور پر تسلیم کرنے کے عمل کی داغ بیل ڈال دی۔ مصر کے صدر انور سادات نے ستمبر ۱۹۷۸ء میں ''کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے'' کے نام سے اسرائیل کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کئے اس ذلت آمیز اور شرمناک سانحے کے بعد ''فہد کا صلح کا منصوبہ'' اور مراکش میں منعقد ''فاس کانفرنس'' نے ان سازشی عناصر کے چہروں کو مزید نمایاں کر دیا۔ امام خمینیؒ نے اس بارے میں اپنے ایک خطاب میں فرمایا: ''آج خطرناک ترین امور میں سے کیمپ ڈیوڈ اور فہد کا منصوبہ ہے جو اسرائیل اور اس کے جرائم کو بنیاد فراہم کرتا ہے۔''

اس دوران صرف شام اسرائیل کے خلاف ثابت قدم رہا اور قدس کے غاصبوں سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کرنے کے اپنے موقف پر قائم رہا۔

رجعت پسند عرب حکومتوں کے سازشی اقدامات اور ان کے اسرائیل سے براہ راست مذاکرات کے رجحان نے فلسطینیوں کی نئی نسل میں اضطراب اور بے چینی میں اضافہ کر دیا اور ان میں خطرے کے شدید احساس کی لہر دوڑ اٹھی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کیا قدس کے غاصب صہیونیوں کے خلاف اپنی جنگ کو ان رجعت پسند عربوں کی حمایت کے بغیر جاری نہیں رکھ سکتے؟ یوں ایران کے اسلامی انقلاب کے اثرات کو قبول کرتے ہوئے ۹ر دسمبر ۱۹۸۷ء کو ایک عوامی تحریک کا آغاز ہوا جو بعد میں ''تحریک انتفاضہ'' کے نام سے معروف ہوئی یہ تحریک عسکری ہونے سے قبل ایک دینی تحریک جو دینی عقائد اور مذہبی اقدار سے فیضیاب ہو کر غاصبوں سے نبرد آزما ہے۔

گزشتہ صدی میں فلسطینیوں کے حقوق اور اسرائیلی جرائم کی مذمت کے سلسلے میں مظلوم و محروم فلسطینیوں کے لئے امام خمینیؒ کی حمایت و پشت پناہی ایک مضبوط سہارا تھی خاص کر جب امام خمینیؒ نے عالم اسلام کو بیدار کرنے کی غرض سے اور مسئلہ فلسطین کے احیاء کے لئے جمعۃ الوداع کو ''عالمی یوم قدس'' کے نام سے موسوم کیا۔ تا کہ اس روز مسلمان دنیا بھر میں مظاہروں، جلسوں، جلوسوں اور کانفرنسوں کے ذریعے اس مسئلہ کا احیا کریں اس طرح فلسطین کے مسلمانوں کو روشنی کی ایک کرن نظر آئی اور امید کی اسی کرن کا ثمر ''انتفاضہ کی تحریک'' میں ظاہر ہوا۔



التماس ترحیم

مومنین کرام سے گزارش ہے کہ ایک بار سورۂ حمد اور تین بار سورۂ توحید کی تلاوت فرما کر مومنین مرحومین خصوصاً مرزا محمد اکبر ابن مرزا محمد شفیع کی روح کو ایصال فرمائیں۔ **محمد عالم**

نکّڑ پرنٹنگ اینڈ بائنڈنگ سینٹر، حسین آباد، لکھنؤ